۴

سلسلہ فصل المقال

دین اور تصوف

ڈاکٹر خضر یسین

سلسلۂ فصل المقال (۴)

دین اور تصوف

ڈاکٹر خضر یٰسین

بسم اللہ العلیم الحکیم

دین اور تصوف

''دین'' اور ''تصوف'' دو اصطلاحات ہیں جو مشترکہ مدلول کے لیے وضع نہیں کی گئیں۔ دونوں کا مفہوم و مدلول الگ الگ ہے، نہ ایک ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ یہ دونوں اصطلاحیں ایک دوسرے کا عین کبھی نہیں رہیں، نہ استعمال ہوئیں نہ ہو سکتی ہیں۔ مذہبی اور غیر مذہبی ادب میں ایک دوسرے کے غیر کے طور پر استعمال ہوئی ہیں اور اب تک ہو رہی ہیں۔ اس لیے کہ ''تصوف'' دین نہیں ہے اور ''دین'' تصوف نہیں ہے۔ تصوف کی راہ سے ''دین'' تک نہیں پہنچا جا سکتا اور دین کی راہ سے ''تصوف'' کے مقاصد حاصل نہیں کیے جا سکتے۔ ''دین'' اصلاً منزل من اللہ اور ''تصوف'' اصلاً خدا تعالیٰ تک رسائی پانے کا انسان ساختہ طرز عمل اور طرز احساس ہے۔ ''تصوف'' انسان کی اس جدوجہد کا نام ہے جو اس نے خدا تعالیٰ تک رسائی پانے کے لیے خود سے وضع کی ہے اور ''دین'' انسان کی کسی جدوجہد کا نتیجہ ہے اور نہ ہو سکتا ہے، وہ کاملاً فضل خداوندی ہے، ''منزل من اللہ'' ہے، مبنی بر وحی ہے۔ ''تصوف'' بہر صورت انسان کی ذاتی جدوجہد ہے، کسی لحاظ اور کسی اعتبار سے ''منزل من اللہ'' نہیں ہے۔ انسان کی ذاتی جدوجہد کا مقصود اصلاح نفس ہو یا خدا یابی ہو، وہ اپنے نصب العین میں شادکام ہو یا نامراد، بہر صورت انسانی ہی رہتا ہے اور الوہی نہیں بن سکتا۔ تصوف اور دین کا یہی بنیادی فرق ہے جسے نظر انداز کرنے سے فکر و نظر کا وہ التباس پیدا ہوتا ہے جو انسانی شعور پر صدیوں سے حاوی چلا آ رہا ہے۔

تصوف اور دین کی حدود آپس میں کہیں نہیں ملتیں اور نہ ان میں کوئی ایسا توارد ہے اور نہ ہو سکتا ہے کہ ایک کا میدان عمل دوسرے کے میدان عمل میں شامل ہو جائے۔ دونوں کا میدان عمل ایک دوسرے سے کاملاً جدا ہے، ایک ''الوہی'' فضیلت ہے اور دوسرا ''انسانی'' اقدار میں سے ایک قدر یا فضیلت ہے۔ ''دین'' پر عمل کرتے ہوئے ''تصوف'' کو کاملاً نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ ''تصوف'' پہ کاربند ہوتے ہوئے ''دین'' کو ترک کرنا کبھی ناممکن نہیں رہا۔ ''تصوف'' دین کا جزو لاینفک نہیں ہے، بالکل اسی طرح جیسے

''دین'' تصوف کا جزو لاینفک نہیں ہے۔''دین'' اپنے مبادی، مضمرات اور غایات کے اعتبار سے کسی انسانی جدوجہد کا محتاج ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔''تصوف'' اپنے مبادی، مضمرات اور غایات کے اعتبار سے کسی الوہی مظہر کا محتاج تھا اور نہ اب تک رہا ہے۔''دین'' اور ''تصوف'' کا نصب العین کبھی ایک نہیں رہا۔''دین'' الوہی قدر ہونے کی بنا پر خود مقصود بالذات ہے اور انسان اسے ذریعہ یا وسیلہ کے درجے پر نہیں لا سکتا اور تصوف کبھی مقصود بالذات نہیں بن سکتا، انسان کامل شعور کے ساتھ اسے ذریعہ اور وسیلے کے مقام سے زیادہ ترفع نہیں دے سکتا۔ منازل ومقاصد اور ذرائع و وسائل کا شعور قائم و برقرار رہے تو یہ ممکن نہیں کہ انسان ''تصوف'' اور ''دین'' میں عینیت دیکھ سکے اور دونوں کی غیریت کو ختم کر سکے۔

''تصوف'' خالصتاً انسانی اور ''دین'' خالصتاً الوہی فضیلت ہے، ''الوہیت'' انسانیت کی کسی شکل و صورت کا نام نہیں ہے اور نہ ''انسانیت'' الوہیت کی کسی شکل وصورت کا بروز وکمون ہے۔ انسانی فضائل واقدار کے درست یا غلط ہونے کا معیار اور ہے اور الوہی فضائل واقدار کا معیار بالکل اور ہے، وہ یا الوہی ہوتے ہیں یا نہیں ہوتے۔ الوہی فضائل واقدار کا معیار ''الوہی'' ہونے یا الوہی نہ ہونے کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ فضائل واقدار کے الوہی ہونے یا نہ ہونے کا ایک ہی معیار ہے کہ وحی شدہ ہیں یا وحی شدہ نہیں ہیں۔ انسانی فضائل واقدار کے تناظر میں ''تصوف'' کا جائزہ لینا اس لیے ضروری ہے تاکہ ہم یہ سمجھ سکیں کہ الوہی فضائل واقدار ہمارے کسی جائزے کے محتاج ہیں اور نہ منتظر ہیں۔ یاد رکھنا چاہیے کہ قابل جائزہ فضائل واقدار ''الوہی'' نہیں ہو سکتے اور نا قابل جائزہ فضائل واقدار انسانی نہیں ہو سکتے، یہی وجہ ہے کہ ''دین'' کی تصدیق وتکذیب یکساں نوعیت کا انسانی فیصلہ نہیں ہے۔''دین'' کی تصدیق ذہانت و دیانت کو قائم رکھتے ہوئے کی جاتی ہے مگر ''دین'' کی تکذیب ذہانت و دیانت پر قائم رہتے ہوئے نہیں کی جا سکتی۔ انسان نے ''دین'' کی جب بھی تکذیب کی ہے، اس کی ذہانت مشکوک ہوتی ہے یا دیانت مشکوک ہوتی ہے۔ انسان پورے صدق دل سے ذہانت و دیانت پر قائم رہتے ہوئے جس طرح ''تصوف'' کو قبول کر سکتا ہے اسی طرح اسے رد اور نظر انداز کر سکتا ہے مگر ''دین'' کے ساتھ ایسا نہیں کر سکتا۔

تصوف کی غرض وغایت ''اصلاح نفس'' ہو یا ''خدایابی'' اور خدا تعالیٰ تک رسائی ہو، کسی لحاظ یا کسی اعتبار سے قابل گرفت نہیں ہے۔''اصلاح نفس'' یا اصلاح احوال سے مراد نفس پرستی سے اعراض اور بے نفسی کا حصول ہے جو انسان کے اخلاقی شعور میں مضمر غایت سے کاملاً ہم آہنگ آرزو ہے، تصوف کی یہ غایت خارجی جبر کے بجائے انسان کے اندرون ذات کا مطالبہ ہے۔ بیشتر افراد کسی غیر معمولی محنت ومشقت میں پڑے بغیر نفس پرستی کے رذائل سے محفوظ اور بے نفسی کے فضائل کے حامل ہوتے ہیں۔ اسی

طرح ''خدایابی'' یا خدا تعالیٰ تک رسائی بھی ایک ایسی غایت ہے جو انسان کے شعور مذہبی میں مضمر آرزو کا مظہر ہے، کون انسان نہیں چاہے گا کہ وہ پروردگار عالم کی حضوری کے احساس کے ساتھ زندگی بسر نہ کرے؟ غالباً یہی وہ آرزو ہے جس کی نسبت خیال کیا جاسکتا ہے کہ تصوف اور ''دین'' کا مشترکہ نصب العین ہے حالانکہ ''دین'' میں اس غایت کا مدلول بالکل دوسرا ہے اور تصوف میں یہ غایت دوسرے معنی کی حامل ہے۔ تصوف میں خدا تعالیٰ تک رسائی حاصل کرنے کا داعیہ شعور مذہبی کا تقاضا ہے اور ''دین'' میں شعور عبودیت کا پورا وجود تمام مضمرات سمیت کاملاً مبنی بر وحی ہے۔ دعاؤں کا مستجاب ہونا، اللہ تعالیٰ کی حضوری اور قربت کے احساس کے ساتھ جینا، ایسے مقاصد ہیں جن کی نسبت سمجھا یہ جاتا ہے کہ تصوف اور دین کی حدود ایک دوسرے کی غیر نہیں رہتیں۔ امر واقعہ یہ ہے کہ ''تصوف'' اور ''دین'' میں مذکورہ مقاصد ہرگز مشترک نہیں ہیں۔ ''الوہیت'' اور ''انسانیت'' میں کچھ بھی مشترک ہے اور نہ ہوسکتا ہے، چاہے عقل پرستوں کو یہ عجیب ہی کیوں نہ لگے۔ تصوف کی غرض و غایت میں خدا تعالیٰ تک رسائی ہے تو یہ انسان کی بہت عظیم الشان تمنا ہے مگر انسانی اعتبار سے کسی تمنا کے ارفع و اعلیٰ ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ الوہی مقاصد کا درجہ اختیار کرسکتی ہے۔ انسان کے لیے الوہی مقاصد کے عرفان کا ذریعہ فقط ''وحی'' ہے، شخصی وجدان نہیں ہے۔

خدا تعالیٰ تک خود سے رسائی حاصل کرنے کے دوران میں انسان نے جو کچھ حاصل کیا ہے اس میں ایک کائنات کی مابعد الطبیعیات ہے، ایک عمرانی رویہ ہے اور ایک ماورائی رویہ ہے۔ جہاں تک تصوف کی مابعد الطبیعیات کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں دعویٰ کیا جاتا ہے کہ وہ مبنی بر استدلال یا مبنی بر شنید نہیں ہے بلکہ بلاواسطہ دید یا مشاہدہ ہے۔ مبنی بر مشاہدہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ تمام امور جو نبی ﷺ پر بذریعہ وحی منکشف ہوئے ہیں، ایک متصوف کے لیے وہ ایمان بالغیب سے نکل کر علم بالشہود کی حیثیت اختیار کرلیتے ہیں۔ باری تعالیٰ کی ذات یا تو بلاواسطہ مشاہدہ میں ہوتی ہے یا اگر ایک متصوف ذات باری تعالیٰ کے بلاواسطہ مشہود ہونے کی نفی کرتا ہے تو یہ سنی سنائی بات نہیں بلکہ نفس الامر کے بلاواسطہ ادراک کا نتیجہ ہوتی ہے۔ متصوف کا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا بلاواسطہ مشاہدہ ناممکن ہے، ذاتی ادراک ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے قابل مشاہدہ نہ ہونے کے بارے میں غیر متصوف کے ایمان بالغیب سے بدرجہا افضل ہے۔ اسی طرح تصوف کی مابعد الطبیعیات جس میں ذات باری تعالیٰ کائنات کا عین متصور ہوتی ہے یا غیر متصور ہوتی ہے اور ''عین'' اِس معنی میں ہے یا اُس معنی میں ہے، ''غیر'' ہونے کا مطلب یہ ہے یا وہ ہے، بہرصورت عینی مشاہدے پر مبنی تصورات پر مشتمل سمجھی یا خیال کی جاتی ہے، اشتراک فی العلم سے محروم

ہونے کی بنا پر مبنی بر حق ہونے کے اعتماد سے عاری ہے۔ عقلی یا حسی مفکر کی طرح صوفی کا مابعد الطبیعی اعتماد حقیقی ہونے کے بجائے غیر شعوری ہوتا ہے، چاہے صوفی اس کی نسبت کچھ بھی دعویٰ رکھتا ہو۔

ایمانی اعتبار سے یہ امر ظاہر ہے کہ متصوفہ اپنے ہر اس ادعا کو بلاوجہ حق سمجھتے ہیں جس کے وقوع پذیر ہونے کے نتیجے میں نبی ﷺ پر ایمان بالغیب لانے کی شرط مفقود ہو جائے یا ہو سکتی ہو اور انسان نبی ﷺ پر مضمر ایمان بالغیب کی احتیاج سے مستغنی ہو جائے یا ہو سکتا ہو۔ اگر صوفیا کا یہ دعویٰ مبنی بر حقیقت ہے کہ ان حقائق کا بلاواسطہ مشاہدہ ممکن ہے جو نبی ﷺ پر بذریعہ وحی منکشف ہوئے ہیں تو ایسی صورت میں صاحب مشاہدہ نبی ﷺ پر ایمان بالغیب لانے کی احتیاج سے مستغنی ہو جاتا ہے۔ تصوف کی راہ سے تشکیل پانے والی مابعد الطبیعیات عقل کی نظری تشکیل سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ عقل کی ایسی نظری تشکیل جو مذہبی جذبات کا شاخسانہ ہو بلاوجہ مذہبی تقدیس کا باعث بن جاتی ہے۔ ''وحی'' کا دینی تقدس دینی لحاظ سے حقیقی اور واقعی ہے، ''غیر وحی'' کا دینی تقدس دینی لحاظ سے وضعی اور جعلی ہے۔ تصوف کی مابعد الطبیعیات کے غیر حقیقی ادعا کو نظر انداز کر دیا جائے اور کر دینا چاہیے تو حکما اور عرفا کے مدرکات ذہنیہ کے بارے میں فتویٰ باز مذہبی ذہن کا یہ خیال کاملاً لایعنی ہے کہ تصوف متوازی دین ہے۔ اگر مابعد الطبیعیات کی وضع و تشکیل متوازی دین متصور ہوتی ہے تو دین سازی کا یہ داعیہ فقط ''عرفا'' یا متصوفہ تک محدود نہیں ہے، حکما یعنی فلاسفہ اور علما یعنی متکلمین و فقہا اس نوع کی ''دین سازی'' کے عمل میں برابر کے شریک ہیں۔ فتویٰ باز مذہبی ذہن متکلمین اور فقہا کی کوشش کو اس لیے سراہتا ہے کہ اس کے نزدیک ان کی عقلی تشکیل قابل قبول ہے اور عرفا وصوفیا کی عرفانی تشکیل قابل قبول نہیں ہے۔

تصوف کا پیدا کردہ عمرانی رویہ ہر لحاظ اور ہر اعتبار سے قابل قبول نہ سہی مگر ناپسندیدہ ہرگز نہیں ہے۔ متصوف یا صوفی ''مذہبی'' انسان ہوتا ہے جس کا رخ دنیا کی مخالف سمت ہوتا ہے۔ وہ فطرتاً زہد پسند ہو یا عادتاً آدم بیزار بن جائے، دونوں صورتوں میں اس کا طرز عمل معمول کی انسانی زندگی سے ممتاز اور منفرد ہوتا ہے۔ بعض اوقات متصوف کا یہ طرز عمل غیر فطری حد کا بھی متجاوز ہو جاتا ہے مگر اکثر اوقات وہ اجتماعیت کے پیچ در پیچ معارضوں میں پڑے بغیر زندگی کے حقیقی رویوں کا امین بنا رہتا ہے اور دوسروں کو ایسی ہی زندگی بسر کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ متصوف یا صوفی اجتماعی زندگی کے فساد زدہ ہونے یا اصلاح یافتہ ہونے سے کوئی سروکار نہیں رکھتا، وہ ہمیشہ انفرادی زندگی کے فساد کو پیش نظر رکھتا ہے اور اپنے مقرر کردہ معیارِ اصلاح کے حصول کی سعی میں مصروف رہتا ہے۔ متصوف کا زندگی کی نسبت یہ منفی رویہ عام عمرانی رویہ اس لیے نہیں بنتا کہ یہ زندگی کے بنیادی اصول سے بلاواسطہ متصادم ہے۔ عام آدمی ممکن ہے کہ متصوف کے اس رویے کو

قابل قدر خیال کرے اور ایک خاص قسم کی عزت دینے کے لیے تیار ہو مگر اسے اختیار کبھی نہیں کرے گا۔

عمرانی رویے کی نسبت دینی تناظر تک رسائی حاصل کرنے کے لیے نبی ﷺ کی قبل از نبوت زندگی کا شعور حاصل کرنا ضروری ہے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ نبی ﷺ کی قبل از نبوت زندگی ہر طرح کی نفس پرستی سے پاک اور بے نفسی کی ہر فضیلت سے مزین تھی۔ متصوف اپنے انسانی وجود میں جو کچھ دیکھنے کا متمنی ہو سکتا ہے وہ سب نبی ﷺ کی ذات میں ناموس اکبر کے ظہور قدسی سے قبل پوری قوت و شدت کے ساتھ موجود ہے۔ انسان اپنی ہستی کے متعلق بہترین نصب العین وضع کرنے کی اہلیت کا بہترین استعمال کرنے کے بعد جو غایت مقرر کر سکتا ہے، نبی ﷺ کی قبل از نبوت زندگی میں عملاً موجود ہے۔ باکمال انسانی اوصاف رکھنے کے باوصف ''ووجدك ضالا'' فقط ان لوگوں کے لیے حیران کن ہو سکتا ہے جو یہ نہیں سمجھتے کہ الوہی ہدایت کے بغیر انسان ''ضال'' ہی رہتا ہے چاہے وہ انسانی اعتبار سے اخلاقی پستی میں مبتلا نہ ہو۔ ''دین'' میں ''ضال'' ہونے کا مطلب فقط اخلاقی پستی میں مبتلا ہونا نہیں ہے، ''دین'' میں الوہی ہدایت سے محرومی کی حالت کو ضلالت سے تعبیر کیا جاتا ہے اور الوہی ہدایت میں زندگی بسر کرنے کی حالت کو ''ہدایت و فلاح'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ''تصوف'' اور ''دین'' میں یہی ''امر'' ما بہ الامتیاز ہے۔ ''تصوف'' انسان کی اس ضلالت کو کبھی موضوع نہیں بناتا یا بنا سکتا جو ''الوہی ہدایت'' کے بغیر ختم نہیں ہو سکتی اور ''دین'' اس ضلالت کو کبھی خاطر میں نہیں لاتا جو الوہی ہدایت کے بغیر ختم ہو سکتی ہے۔ ''تصوف'' انسانی زندگی کے مقاصد اور ان کے حصول کی ہدایت خود سے وضع کرنے کی سعی کرتا ہے اور ''دین'' کاملاً منزل من اللہ ہے جس میں تصورِ ہدایت انسان کا ادراک ذاتی ہوتا ہے اور نہ تصورِ ضلالت انسانی شعور کی تخلیق ہو سکتا ہے۔ ''دین'' میں ضلالت وہ نہیں جسے انسان خود ضلالت سمجھے اور ہدایت وہ نہیں جسے انسان خود سے ہدایت فرض کر لے۔ ''دین'' میں ہدایت وہی ہے جسے وحی نے ہدایت قرار دیا ہے اور ضلالت وہی ہے جسے وحی ضلالت قرار دے۔ غیر دین میں البتہ ہدایت کیا ہے؟ اور ضلالت کیا ہے؟ اس سوال کا جواب انسان نے اپنے ادراک ذاتی سے طے کرنا ہے۔ مگر جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ انسان کا ادراک ذاتی درست ہو یا غلط ہو، ''دین'' سے کوئی سروکار نہیں رکھتا بالکل اسی طرح جیسے ''دین'' کے حق و باطل کا معیار انسان کے ادراک ذاتی سے کوئی سروکار نہیں رکھتا۔

''تصوف'' اوج ثریا تک رسائی حاصل کر لے تو بھی نبی ﷺ کی قبل از نبوت زندگی سے بہتر عمرانی رویے اور مذہبی زندگی کا تصور تک نہیں کر سکتا چہ جائیکہ اس سے بہتر عمرانی رویے اور مذہبی زندگی حاصل کر سکے۔ ''تصوف'' جن عمرانی رویوں کو نفس پرستی کے رذائل قرار دے کر بلا تردد رد کرتا ہے اور ان سے دور

رہنے کی تعلیم دیتا ہے، ''دین'' میں وہ عمرانی رویے نفس ایمان متصور ہوتے ہیں۔ اسی طرح تصوف جن عمرانی رویوں کو بے نفسی کے فضائل قرار دے کر بلاتردد اختیار کرنے کی تلقین کرتا ہے ''دین'' میں وہ ایسی مداہنت متصور ہوتے ہیں جو کفر و ایمان کا فرق برقرار نہیں رہنے دیتے۔ بایں ہمہ تصوف اور دین میں تصادم محض اس لیے نہیں ہوسکتا کہ ''تصوف'' کاملاً انسانی فضیلت ہے اور ''دین'' کاملاً الوہی فضیلت ہے۔ تصوف اور دین میں تصادم کی فقط ایک راہ ہے کہ تصوف ''دین'' کی احتیاج متصور ہونے لگے یا خود نفس دین سمجھا جانے لگے۔ تصوف کے درست ہونے کا معیار یہ نہیں ہے کہ وہ وحی خداوندی کے مطابق ہو، تصوف کے درست ہونے کا معیار الوہی امر اس لیے نہیں ہوسکتا کہ تصوف خود الوہی امر نہیں ہے۔ انسان الوہی خطاب کے امتثال امر کا اہل ہے، الوہی امر کا معاون و مؤید وضع کرنے کا اہل نہیں ہے۔ ''تصوف'' عمرانی رویوں میں جن مقاصد کو اپنا نصب العین بناتا ہے، ان کی حیثیت الوہی احکام کے امتثال امر کی اس لیے نہیں ہے کہ وہ مقاصد بذات خود امتثال امر کا تقاضا کرتے ہیں۔

احبار و رہبان کا کسی امر پر متفق ہو جانا ''وحی خداوندی'' کے مساوی نہیں ہے، اسی طرح کسی امر میں ان کا اختلاف ''دین'' میں کمی و بیشی کا باعث نہیں بن سکتا۔ مذہبی ذہن بالعموم کسی امر کے دین ہونے یا نہ ہونے کے لیے احبار و رہبان کی روش کو بطور سند پیش کرتا ہے اور دین کے منزل من اللہ ہونے کے اصول کو کبھی بطور سند سامنے رکھتا ہے اور نہ بطور سند پیش کرتا ہے۔ مذہبی ذہن کا یہی وہ طرز عمل ہے جسے پیغمبر علیہ السلام نے عدی بن حاتمؓ سے فرمایا ''کیا تم احبار و رہبان کے حلال کو حلال اور ان کے حرام کو حرام نہیں کرلیا کرتے تھے؟'' تصوف میں یہ روش سب سے زیادہ مقبول ہے، تاوقتیکہ مسترشد کامل سپردگی کے ساتھ شیخ کے حضور پیش نہ ہو چکے، منزل مقصود کو نہیں پاسکتا۔ مسترشد کی کامل سپردگی اس کے سوا کچھ نہیں کہ اس کا جذبہ، ارادہ اور ادراک اس کے نفس کی فعالیتوں سے نکل کر مرشد کے نفس کی فعالیتیں بن جائیں۔ ''دین'' میں اس نوع کی سپردگی کا کوئی تصور موجود نہیں ہے نیز حلال و حرام کا فیصلہ فقط ''وحی'' سے ممکن ہے اور عقل سے کبھی حلال و حرام ثابت نہیں کیا جاسکتا چاہے وہ عقل اول ہی کیوں نہ ہو۔ فتویٰ یا کشف و فتوح اللہ تعالیٰ کے حلال کو حرام اور اللہ تعالیٰ کے حرام کو حلال نہیں کر سکتے۔ دین کے مذکورہ بالا اصول کو پیش نظر رکھیں تو تصوف کا اصول سپردگی جس عمرانی رویے کا تقاضا کرتا ہے وہ دینی اعتبار سے ناقابل فہم ہی نہیں، قابل عمل ہونے کے لیے دین کے وضع کردہ عمرانی رویے سے ہم آہنگ ہوتا نظر نہیں آتا۔ احبار و رہبان کی تعلیم بہرحال یہی ہے کہ ''دین'' کاملاً ان کے فہم کی تحویل میں ہے، وحی خداوندی سے بلاواسطہ سمجھنا ممکن نہیں ہے، ان کے نزدیک ''وحی'' کی تشکیل نو ہی ''دین'' کا سرمایہ ہست و نیست ہے۔

دین اور تصوف کے عمرانی رویوں میں ایک اور اہم اور واضح فرق متصوف کے اس طرزِ عمل سے سامنے آتا ہے کہ ''سب یار کا جلوہ ہے کعبہ ہو کہ بت خانہ''۔ وہ خدا تعالیٰ کا حضور وظہور مخلوق میں پاتا ہے۔ متصوف جلوہ ذات کے ادراک و تفہیم کے لیے نہ فقط ہمہ وقت اپنے آپ کو تیار رکھتا ہے بلکہ بزعم خویش ہمہ وقت مشاہدے میں مصروف رہتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو روایت کا پابند کرتا ہے اور نہ رکھتا ہے۔ مخصوص دین وملت میں زندگی بسر ضرور کرتا ہے مگر اس کے عمرانی رویے کی ساخت اپنی نہاد میں دین وملت کی پرداختہ ہونے کے بجائے تصوف کی وضع کردہ ہوتی ہے۔ وہ دین وملت کی پیدا کردہ تہذیب سے بزعم خویش بہت ارفع اور بہت بلند ''انسانی زندگی'' بسر کرتا ہے۔ متصوف غالب دین وملت سے تعلق رکھتا ہو یا مغلوب دین وملت کا فرد ہو، اس کا عمرانی رویہ یکساں رہتا ہے۔ ایک دین وملت سے تعلق رکھنے والے فاتح جرنیل کا رویہ دوسرے دین وملت کے فاتح سے مختلف ہو سکتا ہے مگر فاتح دین وملت کے متصوف کا رویہ مفتوح دین وملت کے متصوف سے کبھی مختلف ہوتا ہے اور نہ مخالف ہوتا ہے۔ متصوف اپنی روحانی واردات کو علم یقینی کا باعث خیال کرتا ہے اور اپنے تیقن کا مبدا ''علم لدنی'' بتاتا ہے۔ متصوف کا مبدائے علم وایقان ''لدنی'' ہو تو صاحب کتاب نبی اللہؑ کو بھی اس کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنے کے سوا چارہ نہیں ہے۔

فقہی تصوف ہمیشہ سے مخصوص دین وملت کا پابند رہا ہے۔ تصوف کی فقہ علما کی وضع کردہ فقہ سے بہت زیادہ مختلف نہیں ہوتی تاہم متصوفانہ مزاج کے لیے علما کی فقہ کچھ زیادہ قابل التفات بھی نہیں ہوتی۔ علمائے فقہ جن اوامر ونواہی کو ''شریعت'' کا نام دیتے ہیں، وہ مبنی بر وحی ہونے کے بجائے فقہا کی قانونی آراء یا اجتہاد ہیں، بالفرض وہ منصوص احکام بھی ہوں، متصوف کی رائے ان کی نسبت عام مذہبی ذہن سے بہت مختلف ہوتی ہے۔ علمائے فقہ کی ظاہر پرستی صوفیا کی باطن پرستی سے ہمیشہ متصادم ہی رہتی ہے۔ علمائے فقہ اپنے آپ کو دین کی ظاہری رسوم کا محافظ خیال کرتے ہیں اور صوفیا اپنے آپ کو دین کی روح کو قائم رکھنے کا مکلف خیال کرتے ہیں۔ علما کی ظاہر پرستی ''تشرع'' یعنی الفاظ قانون کی پیروی، روح قانون سے انحراف کی حد تک متجاوز ہو جاتی ہے تو صوفیا کی باطن پرستی ''توہم'' کی حد تک لایعنی ہو جاتی ہے۔ خالص تصوف اور خالص قانونی تفقہ جن متجاوز رویوں کے آئینہ دار ہیں اس کا حل صوفی کی فقہ اور فقیہ کے تصوف میں تلاش کیا جاتا ہے، بالعموم اس رویے کو ''دین'' کا ناگزیر معاون رویہ فرض کیا جاتا ہے، جس کے بغیر منزل من اللہ ''دین'' گویا کبھی قابل فہم بن سکا ہے اور نہ قابل عمل رہا ہے۔ فقہا میں یہ خیال عام ہے کہ فقہ کی اعانت کے بغیر منزل من اللہ ''دین'' انسان کی علمی اور عملی تشفی کا باعث نہیں ہے اسی طرح صوفیا میں یہ خیال عام ہے کہ صفائے باطن کے بغیر ''دین'' کی غایت کا حصول ناممکن ہے۔

امر واقعہ یہ ہے کہ دین اور تصوف کے مابین مغائرت کی نسبت ہی اصل ہے مگر یہ مغائرت ایسی نہیں ہے جو ایک دوسرے کی نفی کو مستلزم ہو۔ دین کی نفی تصوف کی نفی نہیں ہے اور تصوف کی نفی دین کی نفی نہیں ہے، اسی طرح تصوف کا اثبات دین کے اثبات کا نتیجہ ہے اور نہ دین کا اثبات تصوف کے اثبات کو لازم کرتا ہے۔تصوف انسانی طبائع کے رجحانات میں سے ایک رجحان ہے اور کچھ نہیں ہے، دین فقط منزل من اللہ ''الوہی فضیلت'' ہے اور کچھ نہیں ہے۔ یہ ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو ریل کی پٹری کی طرح چل سکتے ہیں اور ایک دوسرے کے بغیر پوری قوت وشدت کے ساتھ قائم رہ سکتے ہیں۔ دین کا کوئی مطالبہ ایسا نہیں جو بالآخر تصوف کی طرف رہنمائی کرتا ہو اور ''تصوف' کا کوئی وظیفہ ایسا نہیں جو بالآخر ''دین'' متصور ہوئے بغیر نہ رہ سکتا ہو۔ رجوع الی اللہ اور انابت الی اللہ کا جو تصور ''دین'' کا مطالبہ ہے وہ اپنے آغاز وانجام کے اعتبار سے ''دین'' ہے اور تصوف میں یہی رجحان اپنے آغاز وانجام کے اعتبار سے ''تصوف'' ہے۔ دینی تصور انسان میں الوہی تقدس کا حامل نہ ہو یا الوہی تقدس کا حامل نہ رہے تو اس پر استوار علم وعمل اور ایمان وایقان دونوں کی حیثیت انسان ساختہ علم وعمل اور ایمان وایقان سے زیادہ نہیں ہے۔تصوف میں انسان ساختہ علم وعمل اور ایمان وایقان ہی سب کچھ ہے، انسان ساختہ علم وعمل اور ایمان وایقان تصوف کا ملاک وجود ہے۔

انابت الی اللہ اور ذکر اللہ میں شب وروز مشغول رہنے کے باعث متصوف اپنے میں ایسی شخصیت کی نشوونما میں بالعموم کامیاب ہو جاتا ہے جو اجتماعی معاملات سے کنارہ کشی کے باوجود اجتماع کو متاثر کرنے کی اہل ہوتی ہے۔متصوف کی یہی اہلیت اسے مقبول عام مرجع خلائق بنا دیتی ہے، مخلوق خدا کی توجہ کا مرکز بن جانے کے بعد بھی متصوف رجوع الی اللہ اور انابت الی اللہ پر قائم رہے تو یہ تصوف میں بڑی کامیابی سمجھی جاتی ہے، لیکن اگر متصوف انسانوں کی توجہ کو برقرار رکھنے کی مہم میں لگ جائے تو یہ تصوف میں ناکامی ونامرادی سمجھی جاتی ہے۔ جب ایک متصوف انسانوں کی توجہ کو اپنی ذات پر برقرار رکھنے کی مہم میں لگ جاتا ہے تو اس کی کامیابی کا راز دوسرے انسانوں کی نجی زندگی کے مخفی حالات کا عرفان حاصل کرنے میں مضمر ہوتا ہے۔ یہ انسان کی نفسیاتی مجبوری ہے کہ اگر اسے معلوم ہو جائے کہ اس کی زندگی کے مخفی گوشے کسی دوسرے انسان پر عیاں ہو گئے ہیں تو اس کی قوت ارادی ڈھیر ہو جاتی ہے اور اسے یہ فرض کرنے میں کوئی تردد نہیں ہوتا کہ ماضی کے مخفی گوشے جس پر عیاں ہو چکے ہیں، مستقبل بھی اس کی نظر سے اوجھل نہیں ہے۔ ملا، نیتا، پیرو پروہت اور لالہ وپنڈت کی عوامی قبولیت کی اصل وجہ رجوع الی اللہ نہیں بلکہ مستقبل بینی کا اندیشہ ہے۔ اسے تصوف کی غلطی قرار دینا درست نہیں ہے، یہ متصوف کا انحراف ہے۔ متصوف کا یہی انحراف جس قدر عوامی قبولیت حاصل کرتا جاتا ہے اسی نسبت سے عوام میں ''دین وایمان'' کی بیخ کنی کا

باعث بنتا ہے۔

خرق عادت امور ''کرامت'' کہلائیں یا ''استدراج'' سمجھے جائیں، نفسی قویٰ کے ارتقا کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ نفسی قویٰ کا ایسا ارتقا جو اخلاقی پستی اور دین وایمان کی بیخ کنی کے باوجود قائم و برقرار رہے، تصوف کے لیے ممکن ہے قابل التفات ہو مگر ''دین'' کے لیے یکسر قابل نفرت ہے۔ کرامت واستدراج کو انبیا علیہم السلام کے ''خوارق'' سے تشبیہ دینا ایک بار پھر الوہی فضیلت کو انسانی فضیلت پر قیاس کرنا ہے۔ جس طرح ''دین' تصوف نہیں ہے اور تصوف ''دین'' نہیں ہے بالکل اسی طرح انبیا علیہم السلام کے ''خوارق'' کرامت ہیں اور نہ استدراج ہیں۔ انبیا علیہم السلام کے ''تحنث'' کو متصوفانہ زہد فرض کرنا اور نزول وحی میں انبیا علیہم السلام کے ذاتی زہد وانزوا کا کوئی کردار فرض کرنا، دین اور دین کے مقام و منصب کے شعور سے محرومی کا نتیجہ ہے۔ ''وحی'' خرق عادت مظاہر میں سے ''مظہر'' نہیں ہے، نفس دین ہے، جسے خوارق میں شامل نہیں کیا جا سکتا۔ خوارق کا ظہور متصوف کے ذریعے سے ہو یا غیر متصوف کے ذریعے سے، دینی اعتبار سے یکساں حیثیت رکھتا ہے۔ فقط وہی خوارق دینی اعتبار کے حامل ہوتے ہیں جو انبیا علیہم السلام سے ظاہر ہوں۔ عادی امور میں تصرف نفسی قویٰ کی نشوونما کو ظاہر کرتا ہے، عنداللہ قبولیت کا ضامن نہیں ہے۔ دین وایمان کی رو سے عادی امور یا خوارق عنداللہ قبولیت کے ضامن فقط اسی صورت میں ہوتے ہیں جب وہ ''اخلاص باللہ'' کا نتیجہ ہوں۔ اخلاص باللہ فقط وحی کی غیر مشروط اتباع سے عبارت ہے ورنہ عقلی مفروضات میں سے ایک مفروضہ ہے۔

بعض متصوفین نے نظام عالم کو ''مامورین'' کا دست نگر ظاہر کیا ہے۔ عادی امور کا وقوع ہو یا خوارق کا ظہور ہو، اصلاً ''مامورین'' کا کارنامہ ہے۔ تکوین وتکوّن پر کامل قدرت کے حامل ''مامورین'' نظام عالم کے اسی طرح سزاوار ہیں جس طرح حافین وحاملین عرش ملاء اعلیٰ کے نظم ونسق کے سزاوار ہیں۔ یہ اور اسی نوع کے دیگر تصورات درحقیقت تصوف کی نظری مابعد الطبیعیات ہیں، اس سے زیادہ ان کی حیثیت فرض کرنا نہ صرف تصوف پر زیادتی ہے بلکہ دین اور معاملات دین میں ناروا مداخلت بھی ہے۔ تصوف کی نظری مابعد الطبیعیات کو نظریاتی بنانے کی کوشش نے بے شمار مشکلات پیدا کر دی ہیں۔ شعور انسانی کے دیگر پہلوؤں کی طرح شعور کے اس پہلو میں بھی نظری مابعد الطبیعیات وضع کرنے کا ذوق وشوق موجود ہے۔ تصوف چونکہ خدا تعالیٰ سے بلاواسطہ تعلق پیدا کرنے اور اسے فروغ دینے سے عبارت ہے اس لیے تصوف کی وضع کردہ مابعد الطبیعیات اپنے اندر تقدس کا عنصر لیے ہوتی ہے مگر تقدس کا احساس پیدا کر لینا اور شے ہے اور نفس الامر میں کسی واقعہ کا مقدس ہونا دوسری بات ہے۔ فقہا نے علم کلام کی صورت میں اپنی مابعد

الطبیعیات وضع کی ہے،صوفیا نے اپنے ذوق کے مطابق وجود و شہود سے مابعد الطبیعیات بنائی ہے۔

تصوف کی مابعد الطبیعیات عمرانی اعتبار سے صوفی کے غیر معمولی استحکام کا باعث بنتی ہے۔ بیشتر انسان عقل وفکر کا استعمال سادہ لوحی سے کرتے ہیں، پیچیدہ اور توجہ طلب امور فکر ونظر کے جس ارتکاز کا تقاضا کرتے ہیں اس سے وہ اعراض برتتے ہیں۔ نظام عالم کا متصوفانہ نقشہ ''رجال الغیب'' کے کھوج کی راہ دکھاتا ہے، سادہ لوح انسان ''رجال الغیب'' کی جستجو میں اعراض پسندی کی فطرت کے زیر اثر مشغول ہو جاتا ہے۔ موسیٰؑ وخضر کی ملاقات میں رونما ہونے والے واقعات تصوف کی مابعد الطبیعیات میں ''رجال الغیب'' کے تصور کو اور زیادہ قابل التفات بنا دیتے ہیں۔ علم بالوحی جو اصلاً ''علم اللہ'' ہے، عقل کے لیے خام موادنہیں بن سکتا۔ مابعد الطبیعیات متصوفانہ ہو یا غیر متصوفانہ، عقل اپنی وضعیات میں ''علم اللہ'' کو خام مواد بنانے میں سہولت محسوس کرتا ہے اور یوں وضعی محتویات کے حقیقی ہونے کا جعلی یقین پیدا کر لیتا ہے۔ متصوف کے نظری حاصلات مشاہداتی حقائق نہیں ہوتے ،نظری حاصلات اس وقت مشاہداتی حقائق متصور ہوتے ہیں جب متخیلہ حواس پر مبنی ہونے کے بجائے ''محسوس'' کا وجود متخیلہ سے صادر ہونا شروع ہو جائے۔ معمول کے مطابق حواس سے خیال تشکیل پاتا ہے اور اگر خیال ''محسوس'' ہونا شروع ہو جائے تو یہ ذہنی قویٰ کی غیر فطری اور معکوس حرکت ہے جس میں ذہنی اعمال معکوس ہو جاتے ہیں۔ متصوف کے حاصلات نظری ہونے کے بجائے مشاہداتی ہوتے تو ایک دین وملت کا متصوف دوسرے دین وملت کے بانی کو ''شیطان'' اور اپنے دین وملت کے بانی کو ''رحمان'' کا نمایندہ کبھی فرض نہ کرتا۔ اسی طرح مسلمانوں میں توحید وجودی کی نفی توحید شہودی سے محض کشف وشہود کی بنیاد پر نہ کی جاتی۔

''متصوفانہ حال'' صاحب حال کی شخصیت پر جس قدر غالب ہوتا ہے اسی قدر وہ اس کے حق ہونے کا داعی ہوتا ہے۔ ''متصوفانہ حال'' کسی معنی میں پیغمبرانہ وحی سے مشابہت نہیں رکھتا، بدقسمتی سے تصوف کے قائلین و عاملین اسی مشابہت کے دعویدار ہیں، حالانکہ ایمانی اعتبار سے یہ مشابہت ممکن ہے اور نہ نفسیاتی لحاظ سے اس کا کوئی امکان ہے۔ حصول وحی سے قبل و بعد پیغمبرؐ کی نفسی اور نفسیاتی حالت، متصوف کیا کسی غیر نبی کی نفسی اور نفسیاتی حالت سے ادنیٰ درجے کی مشابہت نہیں رکھتی۔ پیغمبرؐ کی نفسی اور نفسیاتی حالت ہمیشہ اور کاملاً متوازن ہوتی ہے اور رہتی ہے جبکہ ہر ''صاحب حال'' چاہے کامل متصوف ہو یا ناقص، کی شخصیت کا نفسی اور نفسیاتی توازن لازماً معمول سے متجاوز ہوتا ہے۔ ''متصوفانہ حال'' درحقیقت معمول کی نفسی حالت سے خارج ہونے کا نام ہے، معمول کی نفسی اور نفسیاتی حالت قائم رہے تو حال کی کیفیت پیدا نہیں ہو سکتی۔ ''متصوفانہ حال'' جمالیاتی انبساط کے غیر معمولی تجاوز کا تجربہ ہے، حقیقت کے کسی معنی و

مفہوم تک رسائی حاصل کرنے کا عمل نہیں ہے۔ متصوف غیر معمولی حد تک متجاوز جمالیاتی انبساط کو خود سے کوئی معنی دینے کی سعی کرتا ہے۔ ''پیغمبرانہ وحی'' انسان کے نفسی اور نفسیاتی قویٰ کی معمولی، غیر معمولی اور متجاوز یا مقتصر صورت کا نام نہیں ہے۔ نزولِ وحی کے دوران میں نفسی اور نفسیاتی قویٰ کا عارضی تعطل ''وحی'' کے علوشان اور کامل ارتکاز توجہ کا تقاضا ہے، اسے جمالیاتی انبساط کا تجاوز فرض کرنا نادانی ہے۔

متصوفین کے بعض گروہ انہاک و استغراق کے حصول کے لیے جمالیاتی انبساط کو مستقل وسیلہ بناتے ہیں اور اس کے حصول کے لیے فنکارانہ مظاہر جیسے رقص و موسیقی وغیرہ کو بلاتردد اختیار کرتے ہیں، متصوفین کے بعض گروہ فنکارانہ مظاہر کو کاملاً نظر انداز کرتے ہیں اور بعض ان کے شدید مخالف ہوتے ہیں۔ فنکارانہ مظاہر حصولِ حال کا وسیلہ ہوں یا حصول حال میں حائل ہوں، دونوں صورتیں اہل تصوف کے نزدیک شریعتِ مطہرہ کے عین مطابق ہیں، متصوفین کے ہاں حلت و حرمت کا انحصار ''نص'' کے بجائے ''ذوق'' پر ہوتا ہے یا سمجھا جاتا ہے۔ متصوف ''ذوق'' کو مدرکات کے دیگر انواع کی نسبت زیادہ اہمیت اس لیے دیتا ہے کہ یہ بلاواسطہ صادر ہوتا ہے، ذوق کی نشوونما ''نص'' کی روح کے مطابق ہونی ضروری ہے۔ ''نص'' کے ظاہری معنی سے تصادم ''دین'' میں ناقابل قبول ہے، تصوف میں باطنی معنی سے تصادم ناقابل قبول ہے۔ ''متصوفانہ حال'' انہاک و استغراق کی ایک حالت ہے جس میں حواس ظاہری معطل اور حواس باطنی متحرک اور فعال ہوتے ہیں گویا ایک معنی میں متصوفانہ حال ''خواب'' کی ایک صورت ہے۔ خواب فی نفسہٖ کا بیان ممکن ہو بھی تو وہ غیر ضروری اور غیر متعلق بات ہوتی ہے، خواب میں مضمر ''رمز'' اصل ہوتی ہے جس کا ادراک ضروری ہوتا ہے، یہی خواب کی تعبیر متصور ہوتی ہے۔ اسی طرح ''صوفیانہ حال'' فی نفسہٖ قابل بیان ہو بھی تو وہ بیان غیر اہم شے ہے، اصل بات تعبیر سے عیاں ہوتی ہے۔ نفس الامر اور تعبیر کے مابین واقع خلیج کا سوال ''صوفیانہ حال'' میں نہیں اٹھایا جا سکتا، کہ نفس الامر اور تعبیر میں ثنویت حواس ظاہری میں ممکن ہوتی ہے، حواس باطنی میں اس کا امکان نہیں ہوتا۔ ''صوفیانہ حال'' متصوفین کے نزدیک ''وحی'' کی طرح قابل اعتماد ذریعہ علم ہے، ''وحی'' اور ''صوفیانہ حال'' میں بحیثیت ذریعہ علم ماہیت کا فرق نہیں ہے، محض شدت کا فرق ہے۔

''دین'' کا ذریعہ علم ''وحی'' ہے، انسان کے پاس جس کا بدل، مثل اور مماثل نہیں ہے۔ انسان کے قویٰ کی نشوونما چاہے ''وحی'' کے عین مطابق یا وحی کے تحت ہی کیوں نہ ہو، ان سے حاصل ہونے والا علم ''علم بالوحی'' کی ماہیت کے دائرے میں کبھی داخل نہیں ہو سکتا۔ ''وحی'' انسان کے معمولی اور غیر معمولی قوائے علمیہ کی ترقی یافتہ صورت نہیں ہے۔ انسانی عقل و فکر کے تمام قویٰ یکے بعد دیگرے یا سب یک جا

ہو کر اس علم کے مساوی ایک قضیہ نہیں بنا سکتے جس کے حصول و ابلاغ کا ذریعہ ''وحی'' ہے اور نہ وحی شدہ قضایا کی تشکیل نو کر سکتے ہیں۔ متصوف انسانی قویٰ سے غیر معمولی توقعات وابستہ کر لیتا ہے، نشوونما یافتہ ہونے کی صورت میں انہیں علم بالوحی کے مماثل علم کا ذریعہ سمجھ لیتا ہے۔ نفس انسانی تقوی اللہ سے یا تقوی الدنیا سے اس طرح کی روحانی رفعت حاصل کر سکتا ہے مگر ''مہبط وحی'' کا منصب کبھی حاصل نہیں کر سکتا۔ تقویٰ اللہ اور تقویٰ الدنیا سے سرفراز ہونا یقیناً بڑی روحانی فضیلت ہے، مہبط وحی ہونا روحانی فضیلت نہیں ہے، خالصتاً الوہی فضیلت ہے۔ نبوت و رسالت روحانی مقامات میں سے کسی مقام کا نام نہیں ہے، مشیت ایزدی کا ارادی انتخاب ہے، جس میں نبیؑ و رسولؑ کے ذاتی علم و عمل کا کوئی دخل نہیں ہے۔

متصوفانہ کارگزاری اور نبیؑ و رسولؑ کی اتباع و تعمیل میں واضح فرق ہے، ''دین'' نبیؑ و رسولؑ کی اتباع و تعمیل میں محدود و مقید ہے، متصوفانہ اعمال و افعال ''دین'' سے سوا ہوتے ہیں۔ متصوفانہ اعمال و افعال سے دینی اعمال و افعال میں بہتری لائی جا سکتی ہے اور نہ کمی و کوتاہی کو ممکن بنایا جا سکتا ہے۔ دینی اعمال و افعال میں فطری زہد پایا جاتا ہے جبکہ متصوفانہ اعمال و افعال سے ''متجاوز زہد'' نمایاں ہوتا ہے۔ تصوف میں مطلقاً ترک دنیا معروف اور مقبول فضیلت ہے، دین میں ترک دنیا ''حکم اللہ'' کی صورت میں قابل التفات ہے ورنہ ''ترک دنیا'' بھی ہوائے نفس کی سلبی جہت سے زیادہ کچھ نہیں۔ خواہش نفس محرک اعمال ہو تو ''دین'' میں یہ برائی نہیں سمجھی جاتی، دینی اعتبار سے اچھائی اور برائی خواہش کی تکمیل کے ذرائع میں ہوتی ہے، تصوف کا ''متجاوزانہ زہد'' خود خواہش نفس کو ''برا'' سمجھتا ہے اور ان ذرائع و وسائل کو بہم پہنچانے کی سعی میں مصروف رہتا ہے جن سے نفس کی طبعی خواہشات، جبلی داعیات اور نفسانی تقاضے دب کر رہ جائیں۔ متصوفانہ زہد کا یہی غیر فطری تجاوز ہے جو عامۃ الناس میں اسے قابل و قبول فضیلت کی حیثیت سے رواج نہیں بننے دیتا۔ متصوفانہ زہد کا محرک اخلاص باللہ ہو تو بھی فطرت سے بالواسطہ یا بلاواسطہ تصادم کی راہ پر قائم عمل زیادہ دیر تک برقرار نہیں رہ سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جس فطرت پر پیدا کیا ہے اسی میں رہتے ہوئے انسان قرب الٰہی کی منزل تک رسائی پا سکتا ہے۔ اخلاص باللہ کے تحقق و تحصل کا حقیقی رقبہ فقط ''دین'' ہے۔ اخلاص باللہ کا مزعومہ تصور تحقق و تحصل کی منزل کبھی حاصل نہیں کر سکتا تو اس لیے کہ وہ الوہی ہوتا ہے اور نہ انسانی ہوتا ہے۔

تصوف میں انسانی جسم کے بعض حصوں کو عالم بالا کی نمائندگی حاصل ہے جس کی وجہ سے وہ روحانی مراکز متصور ہوتے ہیں۔ متصوفانہ ارتقا انہی روحانی مراکز کے ذریعے سے حاصل کیا جاتا ہے۔ جسم انسانی کے یہ حصے نفس میں ارتکاز توجہ کی نشوونما کا سبب بن جائیں تو ذہن کے خوابیدہ اور غیر مستعمل قویٰ کو متحرک

کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ لطائف کی مسلسل مشق سے نہ صرف توجہ مرتکز ہوتی ہے بلکہ ذہنی قویٰ خارج پر متصرف ہونے کی اہلیت بھی حاصل کر لیتے ہیں۔ عام انسانی سطح پر خوارق کا ظہور درحقیقت ذہنی قویٰ کے خارجی تصرف سے ممکن ہوتا ہے۔ الوہی قرب و بعد کا مزعومہ تصور خوارق کے ظہور سے مشروط ہے مگر ''دین'' میں الوہی قرب وبعد فقط نبیؐ کی اتباع سے مشروط ہے۔ ایمان وایقان، مقاصد حیات اور حصول کا لائحہ عمل نبیؐ کے ایمان وایقان، مقاصد حیات اور حصول کے لائحہ عمل سے جس قدر عینیت رکھتا ہے اسی نسبت سے الوہی قرب کا حامل ہوتا ہے۔ تصوف میں نہ صرف الوہی قرب و بعد کا تصور انسان ساختہ ہے بلکہ اس کے حصول کا لائحہ عمل بھی انسانی شعور کا تراشیدہ ہے۔ تصوف انسانی جسم کے جن حصوں کو روحانی مراکز فرض کرتا ہے ضروری نہیں کہ جسم کے دوسرے حصوں سے وہ کام نہ لیا جا سکے، ارتکاز توجہ کے لیے جسم کے کسی حصے کو بھی وسیلہ بنایا جا سکتا ہے اور وہ تمام مزعومہ روحانی مفادات حاصل کیے جا سکتے ہیں جو متعینہ روحانی مراکز سے حاصل کیے جاتے ہیں۔

متصوفین میں گروہی تعصب دوسری گروہ بندیوں کی نسبت زیادہ شدید ہوتا ہے۔ متصوفین کی گروہی عصبیتیں ایک گروہ کے اعمال وافعال کو دوسرے کی نظر میں لایعنی اور بے معنی ہفوات بنائے رکھتی ہیں۔ دینی گروہ کے تعصب کا مرکز ''نبیؐ'' کی ذات ہوتی ہے، بالکل اسی طرح متصوفانہ گروہ بندی کا مرکز ومحور ''پیرو پروہت'' کی شخصیت ہوتی ہے۔ ''دین'' میں نبیؐ کی ذات سے اعراض وانحراف کفر والحاد ہے، تصوف میں ''شیخ'' کی ذات سے اعراض وانحراف سالک وسلوک دونوں کی کامل تباہی یعنی دین و دنیا کی تباہی و بربادی متصور ہوتا ہے۔ ''دین'' میں جو مقام ومنصب نبیؐ کا ہے ''تصوف'' میں وہی مقام ومنصب پیرو پروہت کا ہے۔ ''شیخ'' کی حیثیت سالک کے لیے نبیؐ ورسولؐ سے کم ہرگز نہیں ہے، سالک درحقیقت نبیؐ ورسولؐ کا عرفان ''شیخ'' کے وسیلے سے کرتا ہے، چنانچہ سالک کی نظر میں نبیؐ ورسولؐ سے مقدم ''شیخ'' کی ذات ہے۔ بسا اوقات ''شیخ'' کا تقدس وتقدم سالک پر نبیؐ ورسولؐ کی اتباع وتعمیل غیر ضروری بنا دیتا ہے، اس صورت میں تصوف اور ''دین'' بالکل ایک ہی مقام پر آجاتے ہیں۔ تصوف کا ''شیخ اساس'' تعصب دین وایمان کی اس وقت براہ راست نفی قرار پاتا ہے جب نبیؐ کی ذات بھی ''شیخ'' کی وجہ سے قابل التفات متصور ہونے لگتی ہے۔ تصوف میں ہی نہیں حیات انسانی کے تمام شعبہ جات میں معلم کی حیثیت، اہمیت اور افادیت ناقابل انکار فضیلت ہے مگر تصوف میں ''شیخ'' کی ہستی فقط معلم نہیں ہے، مسترشد کے دین وایمان کی محافظ ہے، نہیں، خود ایمان ودین ہے۔ ''شیخ'' کی ہستی مسترشد کا دین وایمان نہ ہو تو وہ سلوک کی راہ کا راہی نہیں ہے۔ ''دین'' میں یہی حیثیت نبیؐ کے لیے ثابت ہے۔

متصوفین نے ''شیخ'' کو دے رکھی ہے۔ ''بمے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغان گوید'' فقط شعری اظہار نہیں، تصوف کا بنیادی اصول ہے۔

''تصوف'' کے متاثر کن لائحہ عمل ہونے سے انکار ممکن نہیں ہے، ایک متاثر کن فضیلت کی حیثیت سے تصوف کی قدر و قیمت متعین کرنی چاہیے اور اسی تناظر میں اسے دیکھا جانا چاہیے۔ ''تصوف'' انسان کے شعور مذہبی کے مظہر اعمال و افعال کی ایک صورت ہے جس کے درست ہونے یا نہ ہونے کا معیار ''دین'' نہیں ہے بلکہ رجوع الی اللہ اور انابت الی اللہ کا داعیہ ہے اور بعض اوقات محض ماورائے عقل و حواس قویٰ کی تسخیر ہوتا ہے۔ ''دین'' وحی شدہ عقائد و اعمال ہیں جن کی صحت کا معیار ''وحی'' ہے، وحی شدہ عقائد و اعمال اس لیے درست ہیں کہ وہ ''وحی'' ہیں اس کے سوا کوئی وجہ ہے اور نہ بتائی جا سکتی ہے۔ تصوف جن عقائد و اعمال کا دعویدار ہے ان کے درست ہونے کا بھی خود ہی دعویدار ہے بایں ہمہ وہ ''دین'' ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ دینی عقائد و اعمال محدود و مقید اور متعین ہیں، ان میں اضافہ اور کمی ناممکن ہے۔ تصوف رجوع الی اللہ اور انابت الی اللہ کے داعیہ کا حامل ہو تو وہ دینی عقائد و اعمال میں یک گونہ توسیع یا اضافے سے اپنے سفر کا آغاز کرتا ہے اور بعض اوقات متصوفانہ عقائد و اعمال دینی عقائد و اعمال کی توسیعی صورت ہونے کے بجائے مستقل بالذات تصورات و غایات ہوتے ہیں۔ متصوف دینی عقائد و اعمال تک اپنے آپ کو محدود نہیں رکھ سکتا، اس کے مقاصد کے حصول میں دینی عقائد و اعمال کفایت نہیں کرتے۔ دینی عقائد و اعمال پر قانع متصوف نہیں ہوتا اور متصوف دینی عقائد و اعمال پر قانع نہیں ہوتا۔ دینی مقاصد دینی عقائد و اعمال کے ذریعے حاصل کیے جا سکتے ہیں اور دینی عقائد و اعمال کے ذریعے سے ہی دینی مقاصد حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ جہاں تک دینی عقائد و اعمال کے ذریعے سے سفلی مقاصد کے حصول کا تعلق ہے تو فطرت کی یہ پستی انسان کا ذاتی انتخاب ہے، ''دین'' انسان کو بہرحال یہ نہیں سکھاتا۔ تصوف کے عقائد و اعمال دینی عقائد و اعمال سے اس لیے سوا ہیں کہ تصوف کے مقاصد دینی مقاصد سے سوا ہیں۔

مسلمان متصوفین اپنے تصوف کی اساس ''حدیثِ احسان'' بتاتے ہیں۔ اسلام، ایمان اور احسان ایک ہی فضیلت کے تین مدارج ہیں۔ ''اسلام'' اقرار باللسان ہے، ''ایمان'' تصدیق بالقلب ہے اور ''احسان'' احساس حضوری ہے۔ اسلام اور احسان درحقیقت ''ایمان'' کے فوقانی اور تحتانی حواشی ہیں اس لیے دونوں اپنی مستقل اصلیت نہیں رکھتے۔ اسلام ''ایمان'' کے بغیر قابل اعتنا نہیں ہے اور احسان ''ایمان'' کے بغیر لایعنی ہے۔ ''اسلام'' اور ''احسان'' مستقل بالذات فضائل ہیں اور نہ موضوع بحث بن

سکتے ہیں۔ انحصار پذیر فضائل کو علی الاستقلال موضوع بحث بنانے سے فکر و نظر جس نوع کے التباس کا شکار ہوتا ہے وہ صاحب فکر و نظر سے پوشیدہ نہیں ہے۔ دین میں ''ایمان'' مستقل بالذات فضیلت ہے، اسلام اور احسان اس پر منحصر فضائل ہیں۔ اصل ''ایمان'' کا شعور ہے، اسلام اور احسان کا شعور اصل نہیں ہے۔ ''ایمان'' کی اصل محمد رسول اللہ ﷺ ہیں، جبریل علیہ السلام کی وساطت آپ ﷺ کے لیے جس ایمان و ایقان کا سبب ہے، محمد رسول اللہ ﷺ کی وساطت بعینہٖ اسی ایمان وایقان کا سبب نہ ہو تو ایمان مشکوک نہیں مردود ہے۔ صاحب ایمان کے لیے محمد رسول اللہ ﷺ بعینہٖ وہی حکم رکھتے ہیں جو جبریل امین نبی ﷺ کے لیے رکھتے ہیں۔ قرآن مجید نبی ﷺ کے لیے جس معنی میں ''ہدایت'' ہے فقط اسی معنی میں ہدایت ہے، کسی اور معنی میں قرآن مجید کو ''ہدایت'' بنانا یا فرض کرنا ایمان کے منافی ہی نہیں، ایمان کی نفی ہے۔

فقہا کی ظواہر پرستی ''اسلام'' پر اور متصوفین کی باطن پرستی ''احسان'' پر قانع ہے، حواشی پر اصرار اور ''اصل'' (ایمان) سے اعراض حیران کن ہے۔ ''اسلام'' محمد رسول اللہ ﷺ کا معتبر، ''ایمان'' محمد رسول اللہ ﷺ کا معتبر اور ''احسان'' محمد رسول اللہ ﷺ کا معتبر، محمد رسول اللہ ﷺ جیسا اسلام نہیں تو مردود، محمد رسول اللہ ﷺ جیسا ایمان نہیں تو مردود اور محمد رسول اللہ ﷺ جیسا احسان نہیں تو مردود۔ وحی سے عاری ''دین'' اور وحی سے خالی ''فہم دین'' یکساں مردود ہے۔ فقہا اوامر و نواہی کی فہرست کی تیاری میں ''وحی'' اور غیر وحی کے فرق و امتیاز سے بے پروا ہو گئے، متصوفین اخلاص باللہ کی مصروفیت میں ''دین'' اور ''غیر دین'' سے بے نیاز ہو گئے۔ فقہا عقل کی اعانت کے بغیر الیوم اکملت لکم دینکم وحی کا دعویٰ ناقص سمجھتے ہیں اور متصوفین عقل کی اعانت کے بغیر واتممت علیکم نعمتی کا حصول ناممکن دیکھتے ہیں۔ فقہا اوامر و نواہی کی فہرست مکمل کرنے کے شوق میں وہ کچھ فرض کر لیتے ہیں جس کا وقوع عملاً محال ہے اور متصوفین اخلاص باللہ کی دھن میں ایسا کچھ کرنے میں مصروف ہو جاتے ہیں جس کا خود نبی علیہ السلام کو عمر بھر خیال تک نہیں آیا۔ فقہا اور متصوفین کی عمرانی اور نفسیاتی خدمات کا انکار ممکن نہیں اور نہ اس مقالے کا یہ مقصد ہے، اصل مشکل مسلم معاشرت کی عمرانی اور نفسیاتی خدمات کے ''دین'' بن جانے سے پیدا ہوئی ہے۔ دنیا کی ہر معاشرت عمرانی اور نفسیاتی مسائل حل کرتی ہے، مسلم معاشرت نے بھی یہی کیا ہے۔ ''دین'' خدمت خلق ہے اور نہ حسن اخلاق ہے، دین فقط ''منزل من اللہ'' ہے، ''وحی'' ہے۔ جس نے وحی خداوندی کی غیر مشروط اتباع و تعمیل کی فقط وہی ''دین'' پر قائم ہے۔ خدمت خلق اور حسن اخلاق کے پسندیدہ اعمال ہونے سے انکار نہیں مگر پسندیدہ اور ناپسندیدہ اعمال کا ''الوہی معیار'' انسانی معیار سے بہت مختلف ہے۔ پسندیدہ اور ناپسندیدہ اعمال کا الوہی معیار ایمان بالرسالت کے بغیر ناممکن ہے اور

پسندیدہ اور ناپسندیدہ اعمال کے انسانی معیار کے لیے ایمان بالرسالت قطعاً غیر ضروری ہے۔

''دین'' انسانی اعمال کے درست یا نادرست ہونے کا الوہی معیار ہے جو ایمان بالرسالت سے فقط مشروط ہی نہیں بلکہ ایمان بالرسالت میں محدود بھی ہے۔''رسالات اللہ'' کے سوا دین کسی شے کا نام نہیں ہے، رسول اللہ ﷺ کے فقط وہی اعمال و افعال ''دین'' ہیں جو رسالات اللہ ہیں۔ انسان کا از خود رجوع الی اللہ یا انابت الی اللہ دین نہیں ہے، ''وحی'' کی اتباع میں رجوع الی اللہ ''دین'' ہے۔ انسانی اعمال و افعال علیٰ ما ھدی اللہ نہ ہوں تو ''دین'' نہیں ہیں، چاہے علمی، اخلاقی، جمالیاتی اور قانونی اعتبار سے انتہائی کمال یافتہ اور اتمام یافتہ ہی کیوں نہ ہوں۔ دین اور غیر دین، اعمال و افعال کی خارجی ہیئت میں ہی ایک دوسرے سے ممتاز و منفرد نہیں ہیں، داخلی اصول یعنی ''وحی'' اور ''عقل'' میں بھی ایک دوسرے سے ممتاز و منفرد ہیں۔ علم بالوحی ''دین'' ہے، انسانی استعداد کا زائیدہ علم ''غیر دین'' ہے۔ ''دین'' اور ''غیر دین'' کی تقسیم درست یا نادرست کو ظاہر کرنے کے لیے نہیں کی جاتی، علم بالوحی اور انسانی استعداد کے زائیدہ علم کو بیان کرنے کے لیے کی جاتی ہے۔ ''دین'' انسانی استعداد کا زائیدہ نہیں ہوتا بالکل اسی طرح جیسے ''غیر دین'' مبنی بر وحی نہیں ہوتا۔ تصوف غیر دین ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ''نادرست'' ہے، اس کا مطلب بس اتنا ہے کہ وہ منزل من اللہ نہیں ہے، مبنی بر وحی نہیں ہے، دین نہیں ہے، انسانی استعداد کا زائیدہ نظام فکر و عمل ہے اور بس۔

والسلام علی من اتبع الھدیٰ

مصنف کے دیگر مقالات

سلسلہ فصل المقال

۱۔ وحی متلو و غیر متلو اور انسان کا ادراکِ ذاتی

۲۔ سنت اور بدعت

۳۔ مختارات الٰہیہ کے انسانی متبادلات

۴۔ دین اور تصوف

۵۔ نکاح، طلاق اور حلالہ

۶۔ بیع و رِبا یا نفع اور سود

تصانیف

1۔ منہاج الفرقان، بین علم اللہ و علم الانسان

2۔ علم تفسیر: تنقید و تنقیح